حکومتِ کفر کے تحت رہتے ہوئے پہنچ رہا ہے، اسے روکنے کے لئے نظام باطل ہی کے اندر کچھ "شرعی" وسائل پیدا کئے جائیں۔ یہ طریقِ فکر مسلمانوں کو بدلنے کے بجائے اسلام کو بدلتا ہے، یعنی تجدید دین کی جگہ تجدد کا دروازہ کھولتا ہے جو نظام دینی کے لئے حد درجہ تباہ کن ہے، اور افسوس یہ ہے کہ غلبۂ کفر کے زمانہ میں فتویٰ نویسی کچھ اسی راہ پر چلتی رہی ہے جس نے مسلمانوں کو نظام باطل کے تحت رضا و اطمینان سے زندگی بسر کرنے کا خوگر بنا دیا ہے۔ ہم اس طرزِ فکر کو ہرگز گوارا نہیں کر سکتے، چاہے کتنے ہی بڑے بڑے علما اس کے حامی ہوں۔ نظام باطل کے تحت مسلمانوں کے لئے تکلیف اور نقصان کے سوا اور ہو ہی کیا سکتا ہے؟ اس تکلیف اور نقصان کا تقاضا یہ ہونا چاہئے کہ مسلمان نظام طاغوت کو ختم کرنے کے لئے جہاد کی فکر کریں، نہ یہ کہ کفر کے زیر سایہ کسی قدر سہولت سے جینے کے لئے شریعت کو موافق حال بنائیں۔

چند کاروباری مسائل

سوال:- ایک تاجر اپنے کاروبار میں پوری طرح راست باز اور دیانت دار ہے اور احکام شریعت کی پابندی کرتا ہے۔ سامان تجارت اسے کنٹرول ریٹ پر حاصل ہوتا ہے، لیکن بازار میں چور بازاری کی وجہ سے بعض اشیاء کی قیمتیں بہت چڑھی ہوئی ہیں، اس صورت میں کیا وہ مروجہ نرخ پر اپنا مال فروخت کرنے کا حق رکھتا ہے؟

جواب:- کنٹرول ریٹ سے خریدا ہوا مال کنٹرول ریٹ پر ہی بیچنا چاہیئے۔ کنٹرول ریٹ پر خرید کر بلیک مارکیٹ میں مال فروخت کرنا تو ان لوگوں کا کام ہے جن کے اندر نفع اندوزی کی حرص کے سوا اور کوئی شریفانہ جذبہ باقی نہیں رہا۔ البتہ اضطراراً وہ چھوٹے تاجر ایک حد تک بلیک مارکیٹنگ کرنے کی گنجائش رکھتے ہیں جنہیں مالِ تجارت ملتا ہی بلیک مارکیٹ سے ہو اور کنٹرول ریٹ پر حاصل ہونا ناممکن ہو جائے، نیز انہیں کوئی دوسرا مشغلہ یا پیشہ اختیار کرنے کی بھی استطاعت نہ ہو۔

سوال:- اگر کوئی دوکاندار اس اصول پر عمل پیرا ہو کہ وہ نقد خریدنے والے گاہک سے اشیا کی کم قیمت لے اور ادھار لینے والے سے زیادہ تو کیا وہ سود خواری کا مرتکب ہوگا۔ ایک دوسری صورت یہ بھی ہوتی

ہے کہ فروخت پر کچھ معمولی سا کمیشن رکھا جاتا ہے، مثلاً ایک پیسہ فی روپیہ، اور یہ صرف نقد خریداری کی صورت میں گاہک کو ادا کیا جاتا ہے۔ اس کی حیثیت کیا ہے؟

جواب:- پہلی صورت تو صریحاً سود کی ہے۔ رہی دوسری شکل تو اگرچہ اصطلاحاً یہ سود کی تعریف میں نہیں آتی، لیکن اس کے اندر روح تو سود ہی کی موجود ہے۔ فقہ کی زبان میں یہ ربوا نہیں ہے مگر "ربیہ" ضرور ہے اور ربیہ بھی پرہیز کے لائق چیز ہے۔

سوال:- ہمارے شہر میں اور عام طور پر ملک بھر میں ارباب تجارت کا طریق کار یہ ہے کہ باہر سے آنے والے مال کو چنگی سے بچانے کی کوشش کرتے ہیں۔ اول تو چوری چھپے مال دکان پر پہنچانے کی کوشش کی جاتی ہے، یہ نہ ہو سکے تو محرر چونگی کو کچھ دے دلا کر کام چلاتے ہیں۔ کبھی ایسا بھی ہوتا ہے کہ کم مال ظاہر کرنے والے نقلی بیجک بنا کر اس کے مطابق کم چونگی ادا کرتے ہیں اور دکان کے رجسٹروں میں اسی نقلی بیجک کے مطابق اندراجات کرتے ہیں۔ وہ مال رجسٹروں میں دکھایا ہی نہیں جاتا جس پر چونگی ادا نہ کی گئی ہو۔ اس طرح مال کی آمد بکری اور منافع سبھی واقعی سے کم دکھائے جاتے ہیں۔ کیا یہ طریقے جائز ہیں؟

جواب:- معاملہ کی اس پوری شکل کے ناجائز ہونے میں کوئی شبہ نہیں کیا جا سکتا۔ اگرچہ موجودہ نظام حکومت کے عائد کئے ہوئے ٹیکس بجائے خود ناجائز ہیں اور ناروا اغراض کے لئے استعمال ہوتے ہیں، لیکن اس استحصال ناجائز سے بچنے کے لئے جھوٹ اور جعل و فریب اور رشوت کے ہتھیار استعمال کرنا کسی طرح جائز نہیں ہے۔ اس طرح اپنے مال کو تو بچایا جا سکتا ہے لیکن متاع اخلاق برباد ہو جائے گی اور اندیشہ ہے کہ رفتہ رفتہ لوگوں کے اندر وہ اخلاقی حس ہی مفقود ہونی شروع ہو جائے گی جو انسان کو اپنے معاملات میں صداقت و دیانت سے کام لینے پر آمادہ کرتی ہے۔

سوال:- ریلوے اسٹیشنوں سے جب مال کی بلٹیاں چھڑوانے جاتے ہیں تو ریلوے کے کلرک رشوت کا مطالبہ کرتے ہیں۔ جسے اگر رد کیا جائے تو طرح طرح سے نقصان اور تکلیف پہنچاتے ہیں۔ ایسے حالات میں ایک مومن تاجر کیا کرے؟

جواب:- عجیب معاملہ ہے کہ یہ لوگ جب حکومت سے اپنی تنخواہیں اور الاؤنس بڑھوانے کے لئے ہڑتالیں

کرتے ہیں تو پبلک کی ہمدردی حاصل کرنا چاہتے ہیں۔ اور جب اُدھر سے اپنا کام نکال لیتے ہیں تو اسی پبلک کو طرح طرح سے پریشان کر کے اس کی جیبوں پر ڈاکے ڈالتے ہیں۔ درحقیقت یہ نہایت ضروری ہے کہ ان لوگوں کو صاف صاف متنبہ کر دیا جائے کہ اگر تم پبلک کے ساتھ ایماندارانہ رویہ اختیار نہ کرو گے تو اپنے مطالبات میں پبلک سے کسی ہمدردی کی توقع نہ رکھو۔

رہا نفس سوال تو اس کے متعلق پہلے بھی میں یہ بیان کر چکا ہوں کہ حکومت کے ملازموں سے ناروا فائدے اٹھانے کے لئے ان کو رشوت دینا تو قطعی حرام ہے، لیکن اگر اپنے جائز حقوق بھی آپ ان کو رشوت دیئے بغیر نہ حاصل کر سکیں، اور ان کا نقصان بھی آپ کے لئے قابل برداشت نہ ہو، نیز اس قسم کے رشوت خور ملازموں کی شکایت ان کے افسروں سے کرنے کا بھی موقع نہ ہو یا اس سے کوئی نتیجہ نکلنے کی توقع نہ ہو، تو مجبوراً ان کو رشوت دیجئے اور ہمیشہ ان کو نصیحت کرتے رہیئے کہ یہ حرام خوری ہے جو تم کر رہے ہو اور تمہارا اپنا بھلا اسی میں ہے کہ تم اس سے بچو!

سوال:- آڑھت کی شرعی پوزیشن کیا ہے؟ آڑھتی کے پاس دو قسم کے بیوپاری آتے ہیں۔ پہلی قسم کے بیوپاری اپنے سرمایہ سے کوئی جنس خرید کرتے ہیں اور آڑھتی کی وساطت سے فروخت کرتے ہیں۔ دوسری قسم کے بیوپاری وہ ہوتے ہیں جو کچھ معمولی سا سرمایہ اپنا لگاتے ہیں اور بقیہ آڑھتی سے اس شرط پر قرض لیتے ہیں کہ اپنا خریدا ہوا مال اسی آڑھتی کے ہاتھ فروخت کریں گے اور بوقت فروخت مال آڑھتی کا روپیہ بھی ادا کر دیں گے۔ آڑھتی پہلی قسم کے بیوپاریوں سے اگر ایک پیسہ فی روپیہ کمیشن لیتا ہے تو اس دوسری قسم کے بیوپاریوں سے دو پیسہ فی روپیہ لے گا۔ یہ صورت حرام ہے یا جائز؟

جواب:- یہ فرق جو آڑھتی اپنے کمیشن میں رکھتا ہے، غلط ہے۔ قرض لینے والے سے دو پیسہ اور قرض نہ لینے والے سے ایک پیسہ فی روپیہ آڑھت لینا تو ربوا کی تعریف میں آجاتا ہے۔ چاہیئے یہ کہ قرض کا معاملہ الگ رہے اور مال کی فروخت کے لئے ایجنٹ کی حیثیت سے کمیشن لینا بالکل الگ۔ ہے۔ البتہ یہ پابندی جائز ہو سکتی ہے کہ مارکیٹ ریٹ پر بیوپاری اپنا مال خاص اسی آڑھتی کے ہاتھ لا کر فروخت کیا کرے جس کے روپیہ سے وہ کاروبار چلا رہا ہے۔

سوال:۔ آڑھتی بائع اور خریدار سے کمیشن لینے کے علاوہ ایک حرکت یہ بھی کرتا ہے کہ مال کا سودا ہو جانے کے بعد اس میں سے کچھ مقدار "چونگی" کے نام سے لے لیتا ہے، مثلاً پھل ہوں تو ان میں سے چند دانے لے لیگا اور سبزی ہو تو اس میں اپنا حصہ لگائے گا۔ اس چونگی کی حیثیت کیا ہے؟

جواب:۔ یہ چنگی لینا آڑھتی کی زیادتی ہے۔ وہ جب اپنا طے شدہ کمیشن لے چکا تو اب اسے اور کچھ لینے کا حق نہیں۔ حقیقت میں یہ "دست درازی" ہے جس کا ایک معصوم نام "چنگی" رکھ لیا گیا ہے۔

سوال:۔ میں جماعت اسلامی کا لٹریچر پڑھ کر اس سے کافی متاثر ہوں، ذہن کا سانچہ بدل چکا ہے اور یہ سانچہ موجودہ ماحول کے ساتھ کسی طرح سازگار نہیں ہو رہا۔ مثلاً ایک اہم الجھن کو لیجئے۔ ہمارا آبائی پیشہ زمینداری ہے اور والد صاحب نے مجھے اسی پر مامور کر دیا ہے۔ زمینداری کا عدالت اور پولیس وغیرہ سے چولی دامن کا ساتھ ہو گیا ہے۔ عدالت اور پولیس سے بے تعلقی کا اظہار زمیندار کی کامل معاشی موت ہے حد یہ کہ عدالت اور پولیس کی پشت پناہی سے بے نیاز ہوتے ہی خود اپنے ملازمین اور مزارعین پر زمیندار کا کوئی اثر نہیں رہ جاتا۔ خود پولیس جب یہ دیکھتی ہے کہ کوئی زمیندار اس کی "بالائی آمدنی" میں حائل ہو رہا ہے تو وہ اسی کے مزارعین اور ملازمین کو اکسا کر اس کے مقابلہ پر لاتی ہے۔ اسی طرح عدالت کا ہوا جہاں کارندوں کے سامنے سے ہٹا، پھر ان کو ضمیر کی آواز کے سوا کوئی چیز فرائض پر متوجہ نہیں رکھ سکتی اور حال یہ ہے کہ ان لوگوں کے لئے مادی فائدہ سے بڑھ کر کسی شے میں اپیل نہیں ہے۔ مزید وضاحت کے لئے ایک مثال کافی ہو گی۔ ہمارے یہاں دستور تھا کہ کارندوں کے کام میں نقص رہے یا وہ کسی قسم کا نقصان کر دیں تو ان سے تاوان وصول کیا جاتا تھا۔ ہم نے یہ تاوان وصول کرنا بند کر دیا کیونکہ پولیس کی مدد کے بغیر یہ سلسلہ چل نہیں سکتا۔ روش کی اس تبدیلی کے ساتھ معاً کاشتکاروں نے نقصان کرنا شروع کر دیا اور کارندوں نے بھی جرمانہ کی رقم میں سے جو حصہ ملتا تھا اس سے مایوس ہو کر چشم پوشی اختیار کی۔ اب حالات اس حد تک پہنچ گئے ہیں کہ میں زمینداری کو سرے سے ختم کرنے کا فیصلہ کرنے پر مجبور ہو رہا ہوں۔ آپ کی رائے میں چارۂ کار کیا ہے؟

جواب:۔ زمینداری میں پولیس اور عدالت سے تعلق رکھنے کی جو ضرورت اس کافرانہ نظام میں پیدا ہو گئی ہے اس سے ہم ناواقف نہیں ہیں اور ہم کو یہ بھی معلوم ہے کہ قانون کی حدود سے بے نیاز ہو کر ایک زمیندار کو کتنا نقصان پہنچ

سکتا ہے۔ لیکن اس کے باوجود ہم یہ کہتے ہیں کہ جس شخص کو دعوت اسلامی کا کام کرنا ہو اسے اپنے جملہ معاملات قانون کے سہارے کے بجائے اخلاقی بنیادوں پر قائم کرنے چاہئیں اور اس سلسلہ میں جو نقصانات بھی پہنچیں انہیں برداشت کرنا چاہئیں۔ اب یہ فیصلہ کرنا آپ کا اپنا کام ہے کہ آیا آپ دعوت اسلامی کا کام کریں یا قانون کے سہارے زمینداری چلائیں۔ بہرحال یہ دونوں کام ایک ساتھ نہیں نبھ سکتے۔ جن لوگوں پر آپ پولیس اور عدالت کے ذریعے سے اپنی زمینداری کا زور چلائیں گے وہ آپ کے اخلاقی اثر سے کبھی متاثر نہیں ہو سکتے اور نہ آپ کی اس دعوت میں کوئی صداقت محسوس کر سکتے ہیں کہ حکم صرف اللہ کے لئے ہے اور قانون صرف خدا کا چلنا چاہیے۔

سوال:- کیا بچوں کے کھیل کا سامان، مثلاً چینی کی گولیاں، تاش، ربڑ کی چڑیاں اور لڑکیوں کے لئے گڑیاں وغیرہ فروخت کرنا جائز ہے، نیز ہندوؤں کی ضرورت کی گڑیاں بھی کیا بیچی جا سکتی ہیں؟

جواب:- بچوں کے کھلونے بیچنا فی الجملہ تو ناجائز نہیں ہے الا یہ کہ کسی خاص کھلونے یا کھیل کے سامان میں کوئی شرعی قباحت ہو۔ رہے جانوروں اور آدمیوں کے مجسمے تو ان کی دو صورتیں ہیں، ایک یہ کہ پوری باریکی سے تمام خدوخال کے ساتھ انہیں بنایا گیا ہو، دوسرے یہ کہ محض ایک سرسری سا ڈھانچہ کسی جاندار کا ہو۔ جیسے لکڑی کے گھوڑے اور کپڑے کی گڑیاں۔ پہلی قسم کے مجسموں کی فروخت جائز نہیں ہے اور دوسری قسم کے کھلونے آپ بیچ سکتے ہیں۔ ہندوؤں کی ضرورت کی گڑیاں اگر مشرکانہ تخیلات کی نمائندہ ہوں، مثلاً کرشن جی کی مورتی یا رام چندر کا مجسمہ وغیرہ تو ان کی فروخت حرام ہے۔

سوال:- اشتہار کے لئے کیلنڈروں وغیرہ پر آج کل عورتوں کی تصاویر بنانے کا بہت رواج ہے، نیز بعض مشہور شخصیتوں اور قومی ہیروؤں کی تصاویر بھی استعمال کی جاتی ہیں۔ علاوہ بریں مختلف تجارتی اشیاء کے ڈبوں اور بوتلوں اور لفافوں پر بھی تصاویر چھاپی جاتی ہیں۔ ان مختلف صورتوں سے ایک مسلمان تاجر اپنا دامن کیسے بچا سکتا ہے؟

جواب:- اگر کوئی اشتہار یا کیلنڈر خود آپ چھپوائیں تو اسے تصویر سے پاک رکھیں۔ اور ضرورتاً اگر آپ کو کیلنڈروں وغیرہ کا استعمال کرنا پڑے تو اول تو بے تصویر لیجئے، ورنہ تصاویر کو چھپا دیجئے یا مسخ کر دیجئے۔ لیکن ڈبوں اور بوتلوں اور لفافوں پر آپ کہاں تک تصاویر کو مٹا سکتے ہیں۔ موجودہ تصویر پرست دنیا نے قسم کھائی ہے کہ کسی

چیز کو تصویر سے خالی نہ چھوڑے گی۔ ڈاک کے ٹکٹوں اور سکوں تک پر تصاویر موجود ہیں۔ یہ ہمہ گیر نظامِ طاغوت اپنی ناپاکیوں اور غلاظتوں کو جڑ سے لے کر شاخوں اور پتوں تک پھیلاتا چلا جا رہا ہے۔ بس اپنی حدِ امکان تک اپنا دامن بچائیے اور اس حد سے آگے جو کچھ ہے اس سے اپنے آپ کو اور دنیا کو بچانے کے لئے یہ سعی کیجئے کہ نظامِ باطل کا تسلط ختم ہو اور نظامِ حق کا اقتدار جمے۔ اس کی جڑ کٹے گی تو شاخیں آپ ہی جھڑ جائیں گی۔

سوال: ہر گاؤں میں عموماً ایک لوہار اور ایک بڑھئی ضرور ہوتا ہے۔ ان لوگوں سے زمیندار کام لیتے ہیں اور معاوضہ نقد ادا نہیں کرتے، نہ تنخواہ دیتے ہیں، بلکہ فصل کے فصل ایک مقررہ مقدار غلہ کی انہیں دیدی جاتی ہے۔ اس صورتِ معاملہ کو "سیپ" کہا جاتا ہے۔ زمیندار لوگ جب کبھی لوہے یا لکڑی کا کوئی سامان خریدنا چاہتے ہیں تو اپنے لوہار یا بڑھئی کو اپنے ساتھ شہر لے جاتے ہیں تاکہ وہ اچھا مال خرید وا دے۔ یہ لوہار یا بڑھئی بعض کارخانوں اور دکانوں سے خاص تعلق رکھتے ہیں اور وہاں سے سامان خرید واتے ہیں اور ہوتا یوں ہے کہ یہ لوگ دکان پر جاتے ہی آنکھوں کے اشاروں سے دلالی کی فیس دکاندار سے طے کر لیتے ہیں جس سے زمیندار بے خبر رہتا ہے۔ اگر دکاندار لوہار یا بڑھئی کی دلالی کا کمیشن ادا نہ کرے تو پھر وہ کبھی بھی اپنے زمینداروں کو اس کی دکان پر نہ لائے گا بلکہ کسی دوسری جگہ ساز باز کرے گا۔ اور جو دکاندار ان کا کمیشن دینے پر راضی ہو وہ خراب مال بھی اگر دکھائے تو یہ خاص قسم کے دلال اس کی تعریف کریں گے اور اسے بکوانے کی کوشش کریں گے۔ یہ سازش اگر زمیندار پر آشکارا ہو جائے تو وہ اپنے بڑھئی یا لوہار کو ایک دن بھی گاؤں میں نہ رہنے دے۔ یہ صورتِ معاملہ کیسی ہے؟

جواب: "سیپ" معاملہ کی ایک ایسی شکل ہے جو دیہاتی زندگی میں "معروف" کی حیثیت پیدا کر چکی ہے، اس لئے اسے ناجائز نہیں کہا جا سکتا۔ البتہ اس کا خیال رکھنا چاہیئے کہ اس میں بیگار کا عنصر شامل نہ ہونے پائے، یعنی فی الواقع جن لوگوں سے جتنی خدمت لی جائے ان کو اس کا مناسب معاوضہ ادا کیا جائے۔ مقررہ خدمات سے زائد کوئی کام لینا ہو تو اس کا حق الگ اسے دینا چاہیئے۔ محض زمینداری کی دھونس میں لوگوں سے بے جا خدمت لینا ظلم ہے۔

دلالی کی جو شکل آپ نے لکھی ہے اس کے ناجائز ہونے میں تو کوئی کلام نہیں ہو سکتا، مگر واقعہ یہ ہے

کہ یہ دراصل زمینداروں کی زیادتی کا نتیجہ ہے۔ پیشہ ور لوگ محض ان کے دباؤ سے مجبوراً اپنے کام کاج کا ہرج کرکے ان کے ساتھ مال خرید وانے جاتے ہیں اور اس کا معاوضہ دکانداروں سے گویا اس قرارداد پر وصول کرتے ہیں کہ اگر تم ہمیں کمیشن دیتے رہو گے تو ہم تمہارا برا مال بھی ان زمینداروں کے ہاتھ بکوا دیں گے۔ اس طرح یہ مال فروخت کرانے والا، اور دکاندار، اور ان کے ساتھ زمیندار بھی، تینوں ایک ایک قسم کے اخلاقی جرم کا ارتکاب کرتے ہیں۔ اگر زمیندار ان لوگوں سے مفت کی خدمت لینا چھوڑ دیں اور انصاف کے ساتھ ان کا حق المحنت انہیں دیا کریں تو یہ بد اخلاقی رونما نہ ہو

سوال:- چمڑے کے کاروبار میں کروم ایک ایسی چیز ہے جس پر فٹ کی پیمائش کا اندراج بہت غلط ہوتا ہے اس کی تفصیل یہ ہے کہ مال کلکتہ میں تیار ہوتا ہے۔ مال تیار کرنیوالے ہر تھان پر اصل پیمائش سے زائد فٹ لکھ دیتے ہیں مثلاً دس فٹ کے تھان کو بارہ فٹ ظاہر کرتے ہیں۔ اس کے بعد کلکتہ کے تاجر یہ مال خریدتے ہیں اور یہ کچھ اور فٹ بڑھا دیتے ہیں۔ اس کے بعد جب باہر کے تاجر اُن سے مال خریدنے جاتے ہیں تو پھر وہ مزید فٹ بڑھاتے ہیں۔ یہاں آکر تھان پر فٹوں کا پکا اندراج ہوجاتا ہے اور پھر آخر تک یہی اندراج قائم رہتا ہے۔ صحیح فٹ والا مال مارکیٹ میں نہیں ملتا، تقریباً سبھی کارخانے اور تاجر یہی کچا فٹ استعمال کرتے ہیں۔ عام طور پر گاہک اس صورتِ حال سے آگاہ ہوتے ہیں اور اس وجہ سے ہم پیمائش کی اس گڑبڑ کے متعلق کوئی توضیح نہیں کرتے۔ لیکن اگر کوئی گاہک پوچھے تو اسے صاف بتا دیتے ہیں کہ اس مال پر کچے (یعنی غلط) فٹوں کا نمبر لگا ہوا ہے۔ ہم اسی کچے فٹ کے حساب سے خریدتے ہیں اور اسی کے حساب سے منافع لگا کر فروخت کرتے ہیں۔ مثلاً ایک کچا فٹ اگر ۱۲ر میں آتا ہے تو ہم ایک کچے فٹ کے ۱۲ر لگائیں گے۔ شرعاً ایسے کاروبار کی کیا حیثیت ہے۔

جواب:- تجارت میں جو چیز معروف ہو، یعنی دکاندار اور خریدار سب اس بات سے واقف ہوں کہ کچے اور پکے اوزان یا پیمانوں میں کیا فرق ہے اور کونسی چیز پکے پیمانوں کے حساب سے ملتی ہے اور کونسی کچے پیمانوں کے حساب سے تو اس صورت میں یہ معاملہ جائز شمار ہوگا۔ لیکن یہ کوئی اچھا طریقہ نہیں ہے کہ گوناگوں اوزان اور پیمانے رائج رہیں۔ اس سے ناواقف لوگ نقصان اٹھاتے ہیں۔ ایک اچھے نظامِ حکومت کا فرض ہے کہ وہ تجارت کو ان "اسرارِ نہاں" سے پاک کرے۔